www.abdulhaq.info/life

از قلم جناب نصیر احمد فاروقی صاحب حلیم

موت العالِم موت العالَم

حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی مرحوم و مغفور حق فی زمانہ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اور جن کے پایہ کا عالم متبحر دنیائے اسلام میں کیا دنیائے علم و فضل میں آج نہ تھا۔ افسوس ہے کہ ہم میں سے اٹھ گئے۔ ہر انسان کو ایک نہ ایک دن جانا ہے۔ مگر ان کی وفات سے جو علم و فضل کو نقصان ہوا ہے وہ سب سے بڑا المیہ ہے۔ اب کون مسلمان سنسکرت جیسی مشکل زبان کو مادری زبان کی طرح پڑھے گا؟ وہ عربی، فارسی کے بھی جید عالم تھے۔ مگر ان زبانوں کے علاوہ سنسکرت، پالی۔ یونانی۔ انگریزی۔ عبرانی۔ آرمیک اور دوسری زندہ اور مردہ زبانوں کو بیک وقت جاننے اور سمجھنے والا مسلمان تو کیا کسی دوسرے مذہب کا انسان کہاں ہے؟ پھر تمام الہامی کتابوں اور دساتیر اور پرانوں اور مذہبی و تاریخی نوشتوں کا واقف کہاں پیدا ہوگا؟ تمام مذاہب عالم کا علم رکھنے والا اور ان کی تاریخ سے واقف انسان پھر آسانی سے پیدا نہ ہوگا۔ افسوس ہے کہ ہمارے کسی مبلغ یا طالب علم کو شوق نہ پیدا ہوا کہ ان کا جانشین بننے کی نیت سے ان کے علم و فضل سے پورا فائدہ اٹھاتا۔ اس لئے مولانا مرحوم کی وفات ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مَیں جب ان کے علم و فضل کے دریا کو ٹھاٹھیں مارتا بہتے دیکھتا اور گھنٹوں ان کے حیرت انگیز علم کے سمندر کا نظارہ انکے خطبات اور تقاریر سے کرتا تو حیران ہوتا تھا کہ ان کے چھوٹے سے سر میں اس قدر علم و فضل کس طرح سمایا ہوا ہے؟ وہ کبھی لکھ کر تقریر نہ کرتے تھے، زبانی گھنٹوں بولتے چلے جاتے تھے۔ مگر ان کی تقریر محض لچھے دار الفاظ کا مجموعہ نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ہر لفظ علم و منطق سے پرویا ہوا ہوتا تھا۔ اسی طرح بڑے سے بڑے عالم، پنڈت اور پادری سے مناظرہ یا مباحثہ زبانی کرتے تھے اور نہ صرف مدِ مقابل پہ بلکہ سامعین پہ چھا جاتے تھے۔ ویدوں۔ توریت۔ انجیل اور دیگر کتب مقدسہ کے حوالے زبانی یاد تھے۔ وہ انسان نہ تھے بلکہ انسائیکلو پیڈیا تھے۔ میں نے کئی دفعہ ان سے علمی و مذہبی سوال پوچھے۔ ہمیشہ زبانی مجھے جو کچھ چاہتا مل جاتا تھا کبھی انہوں نے نہیں کہا کہ اچھا میں دیکھ کر جواب دوں گا۔ بلا کا حافظہ رکھتے تھے۔

اس زمانہ میں دنیائے علم و فضل میں سربلند چوٹی کی طرح ہونے کے بلکہ تاریخ کے ایک ممتاز عالم ہونے کے باوجود ان میں اس قدر انکساری۔ غریب المزاجی۔ خاموشی۔ عزلت نشینی اور شرم و حیاء تھی کہ انہیں دیکھنے والا کبھی اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ وہ کس پایہ کے علم و فضل کے سمندر کو اپنے اندر چھپائے ہوئے تھے۔ ایک غریب مرنجاں مرنج نہایت سیدھے سادے انسان تھے۔

حضرت امیر مرحوم و مغفور نے ایک جلسہ سالانہ کے موقعہ پر اپنی تقریر یا خطبہ میں مولانا عبدالحق ودیارتھی کو مبلغین کے لئے قابلِ رشک مثال کہا تھا۔ اور نہایت سچ کہا تھا۔ کیونکہ حیرت انگیز علم و فضل رکھنے کے علاوہ نہایت متقی پرہیزگار عابد و زاہد انسان تھے۔ پانچ وقت کی نماز با جماعت پڑھتے، اور گھر میں کیا کچھ عبادت و ریاضت کرتے اس پر تو ان کے گھر والا ہی کوئی لکھ سکتا ہے۔ میں نے صرف اتنا سنا ہے کہ اوّل رات جلدی سو جاتے تھے۔ اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر اور اکثر تہا کر نماز تہجد میں سربسجود ہو جاتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد باقاعدہ سیر کو جاتے تھے۔ غذا نہایت سادہ اور تھوڑی کھاتے تھے۔ اپنے بچوں اور عزیزوں کو نصیحت کرتے تھے کہ لمبی عمر کا راز یہ ہے کہ:-

کم بولو۔ کم کھاؤ۔ کم سوؤ

اور ان نصائح پہ خود سختی سے کاربند تھے۔

میں نے حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی کو پہلی دفعہ جب دیکھا تو یہ وہ زمانہ تھا کہ اشاعتِ اسلام کالج پہلی دفعہ میکلوڈ روڈ پر کھلا تھا۔ ایک پرانی کوٹھی کے باہر کے حصہ میں چند طلباء پر مشتمل کالج تھا پچھلے حصہ میں حضرت امیر مرحوم مع اہل و عیال رہتے تھے۔ میں بھی انہی کے ہاں قیام پذیر تھا۔ حضرت امیر مرحوم اس کالج میں خود پڑھایا کرتے تھے۔ وہاں میں نے عبدالحق نامی نوجوان کو پہلی بار دیکھا۔ اس وقت بھی دبلا پتلا، منحنی مٹی کے سے رنگ کا ایک خاموش، انتہائی منکسر المزاج شرم و حیاء کا پتلا غریب نوجوان تھا۔

پھر دوسری دفعہ جب میں ان سے ملا تو وہ جلسہ سالانہ پر اپنی پہلی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ اتفاق سے میں ان کی ٹانگوں کے ساتھ لگا سٹیج پر بیٹھا تھا۔ قارئین یقین کریں کہ اپنی اس پہلی تقریر میں وہ اس قدر کانپ رہے تھے کہ ان کے جسم کی تھرتھراہٹ میں سن سکتا تھا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد جب میں ان کو جلسوں میں آریہ پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے مناظرے اور مباحثے کرتے سنتا تھا اور وہ شیر کی طرح گرج رہے ہوتے تھے تو میں حیران ہوتا تھا کہ کیا یہ وہی عبدالحق ہیں؟۔

علاوہ دینی علوم کے، زبان دانی کے، اور تمام مذاہب پر وسیع نظر پانے کے مولانا کو سائنس کا بھی غیر معمولی علم تھا جس کو وہ قرآن کریم کی تفسیر اور حقانیت اور علم و معرفت کو ثابت کرنے کے لئے بکثرت استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امیر مرحوم نے انہیں کہا کہ وہ قرآن کریم میں جو ضمنی طور پر سائنس کے متعلق شعبوں کے حقائق بیان ہوئے ہیں ان پر کتاب لکھیں۔ شاید مولانا سائنس کی جلد جلد ہونے والی ترقیات کا ہی جائزہ لیتے رہے یا کیا وجہ ہوئی مگر وہ کتاب نہ لکھی جا سکی۔

سستا سودا

ایک دفعہ ہماری انجمن کی مجلس معتمدین کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ اس میں یہ تجویز آئی کہ اشاعتِ اسلام کالج دوبارہ کھولا جائے تو کسی صاحب نے فرمایا کہ:-

"پہلی دفعہ بھی انجمن کوئی ایک لاکھ روپیہ ایسے کالج پہ خرچ کر چکی ہے اور اس میں سے نکلا کیا؟ صرف مولانا عبدالحق ودیارتھی"

تو حضرت امیر مرحوم بے اختیار بول اٹھے "سستا سودا رہا"۔ واقعی مولانا کی کوئی قیمت نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔ ایک اور موقعہ پر شاید اسی عام شکایت کا ذکر کرتے ہوئے کہ ہماری جماعت کوئی علمی خدمت نہیں کر رہی اور اس نے کتنے عالم پیدا کئے ہیں حضرت امیر مرحوم نے فرمایا کہ ہماری جماعت نے عبدالحق جیسا عالم و فاضل پیدا کیا ہے۔

آپ نے وہ کہانی تو سنی ہوگی کہ ایک دفعہ ایک خرگوشنی ایک شیرنی کے آگے شیخی مارنے لگی کہ میں تو ہر سال دو چار بچے جنتی ہوں اور تو بارہ سال میں صرف ایک جنتی ہے۔ شیرنی نے کہا یہ سچ ہے مگر یہ یاد رکھ کہ وہ ہوتا بھی شیر ہے۔

مندرجہ بالا شکایت کس قدر حقائق سے دور تھی، جبکہ مولانا عبدالحق ودیارتھی کے علاوہ اس وقت حضرت امیر مرحوم و مغفور اپنی بیش بہا تصنیفات کے ذریعہ سے وہ علم و حکمت کے دریا بہا رہے تھے جو ابھی تک نہیں سوکھے بلکہ تاقیامت انشاء اللہ دنیا

www.abdulhaq.info/life

کو مستفیض کرتے رہیں گے۔

حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی کی خوبیاں ایسی تھیں کہ جس نے بھی انہیں دیکھا یا ان کی تقریریں، مناظرے اور خطبات سنے ہیں وہ انہیں کچھ نہ کچھ جانتا تھا۔ اس لئے اس موضوع کو چھوڑ کر میں ایک اور موضوع کو لیتا ہوں جس سے شاید ناظرین کما حقہٗ واقف نہیں ہونگے۔

الہامات، کشوف و رؤیاء

وفات سے کچھ عرصہ پہلے میں مولانا کی مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا تو ہنس کر فرمانے لگے "رات حضرت امیر مرحوم تشریف لائے تھے۔ فرماتے لگے میرے ساتھ چل"۔ یہ کہہ کر مولانا اپنی آنے والی موت پہ افسردہ ہونے کی بجائے کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ میں نے بے اختیار کہا "مولانا اگر مجھے بھی حضرت امیر مرحوم آن کر فرمائیں کہ میرے ساتھ چل تو میں بھی آپ کی طرح خوش و خرم ہو جاؤں"۔ کیونکہ یہ تو مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصلحین۔ وحسن اولٰئک رفیقا والی خوشخبری تھی اُن لوگوں کی معیت نصیب ہوگی جو انبیاء اور صدیق اور شہداء اور صالح ہیں اور "وہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔

اس کے بعد مولانا کی طبیعت زیادہ کمزور اور خراب ہوتی چلی گئی۔ وفات سے دو دن پہلے گھر میں سے کسی نے کہا کہ آپ جو اس قدر مستجاب الدعوات ہیں اپنے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ صحت دے۔ تو فرمانے لگے "آخری حکم آچکا ہے۔ اب درخواست کرنا گستاخی ہوگی"

اس سے قبل اپنے وفات سے ۹ دن پہلے اوپر کی منزل سے جہاں حضرت مولانا رہتے تھے نیچے اُترتے ہوئے فرمایا "اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ حج پر روانہ ہو جاؤ"۔ جانتے ہوئے کہ اللہ کے گھر کی دعوت در اصل موت کے دروازہ سے مقدر ہے۔ فرماتے لگے "کشور (بیٹی) کو لکھدو کہ آکر مجھ سے مل جائے۔"

الہامی نسخہ

حضرت مولانا جوانی سے ہی ولی اللہ تھے۔ ۱۹۱۸ء میں جو انفلوئنزا کی وبا پھیلی تھی وہ سخت مہلک تھی۔ جسے ہو جاتے وہ کم بچتا تھا۔ لاہور اور امرتسر میں قبر کھودنے والے نہیں ملتے تھے۔ ہندوؤں کی لاشیں جو اچھوت لوگ اُٹھایا کرتے تھے وہ پڑی سڑتی تھیں کیونکہ اُٹھانے والے نہیں ملتے تھے۔ اس مہلک وبا نے حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے صاحبزادہ بشیرالدین اور بہو اور ان کے ایک ہی لڑکے کو اوپر تلے سفرِ آخرت پر روانہ کر دیا۔ حضرت مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب کی پہلی بیوی بھی اسی مہلک مرض کا شکار ہوگئیں۔ خود مولانا کو مرض لاحق ہوا تو حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور حضرت ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب اور دیگر جماعت کے مقامی ڈاکٹر صاحبان نے تندہی سے علاج کرنا شروع کر دیا۔ مگر انفلوئنزا کی دوا نہ آج ہے اور نہ اس وقت تھی۔ اور اُس سن کا انفلوئنزا تو تھا ہی مہلک ترین۔ جب مولانا کی حالت بگڑتی گئی، تو انہوں نے گڑگڑا کر اللہ تعالےٰ کے حضور التجاء کی کہ میں نے سنسکرت زبان سیکھی ہے تیرے دین کی خدمت کی خاطر۔ سو مجھے عمر دے کہ میں اس خدمت کو کر سکوں۔ تو الہاماً مندرجہ ذیل نسخہ بتلایا گیا:۔

"خوب کلاں (چھ ماشہ) ایسبغول (۹ ماشہ) شربت بزوری
عرق بید مُشک اور عرق کیوڑہ۔"

مولانا سخت بخار کی حالت میں ہی اُٹھ کر پاس کے یونانی مطب گئے۔ وہاں سے یہ چیزیں لا کر تیار کیں۔ انگریزی دوا کو چھوڑ اس نسخہ کو استعمال کیا اور معجزانہ طور پر جلدی صحتیاب ہو گئے۔

مولانا کی پہلی بیوی سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا۔ وہ لڑکا فوت ہو گیا۔ مولانا کے خاندان میں عرصہ سے صرف ایک لڑکا چلا آتا تھا۔ چنانچہ جب پہلی بیوی کی وفات پر انہوں نے دوسری شادی کی اور لڑکیاں ہونے لگیں تو رشتہ داروں نے طعن کے رنگ میں کہا کہ ان کے خاندان میں تو ایک ہی لڑکا ہوتا ہے سو وہ تو ہو کر فوت ہو گیا۔ اب لڑکا نہیں ہوگا۔ تو ایک دن نماز پڑھتے ہوئے اس جوان ولی اللہ نے سلام پھیر کر اپنی موجودہ بیوی کو کہا "میں نے آواز سُنی ہے عبدالسلام، تو تمہارے ہاں اب لڑکا ہوگا اس کا نام یہی رکھنا"۔ سو وہ لڑکا عبدالسلام بفضلہٖ تعالےٰ اپنے والد کے ملہم من اللہ ہونے پر گواہی موجود ہے۔

مولانا کے پھر ایک لڑکا ہوا جس کا نام انہوں نے عبدالصمد رکھا۔ مگر مولانا نے اس کے بچپن میں ہی رؤیا دیکھا کہ وہ لڑکا کھو یا گیا ہے۔ مولانا اسے ڈھونڈتے رہے اور آوازیں دیتے رہے۔ مگر وہ نہ ملا۔ یہ رؤیاء انہوں نے دوسروں کو سُنا بھی دیا۔ خدا کی شان ہے کہ جوان ہو کر وہ لڑکا امریکہ گیا تو بالکل لاپتہ ہو گیا۔ مولانا اور ان کے عزیزوں نے بہت ڈھونڈا۔ مگر آج تک نہیں ملا۔

مولانا کو جوانی میں ہی ہماری انجمن نے ایک دفعہ حیدر آباد دکن خدمتِ دین کے لئے بھیجا۔ حاملہ بیوی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ وہاں سے لکھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی ہے۔ جب خط گھر والوں کو ملا تو اُسی آن وہ لڑکی پیدا ہوئی۔ اور اس کا نام کشور رکھا گیا۔

یہی لڑکی جوان ہو کر ایک ڈاکٹر سے بیاہی گئی۔ ان کے ہاں دو بیٹیاں ہوئیں۔ جب تیسرا حمل تھا تو اس خاتون نے دل میں سوچا کہ اگر میرے ہاں بیٹا ہوا تو میں اس کا نام "مغیث" رکھوں گی مگر اس کا ذکر انہوں نے کسی سے نہ کیا۔ یہ خاتون اپنے خاوند کے ساتھ اُن دنوں انگلستان میں تھیں۔ مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب کو کسی سلسلہ میں انگلستان میں جانا پڑا۔ جب وہاں ہوائی جہاز سے اُترے تو اپنی صاحبزادی کو کہنے لگے کہ میں کراچی میں ہوائی جہاز پر چڑھنے لگا تو مجھے آواز آئی "مغیث، مغیث"۔ اللہ تعالےٰ تمہیں بیٹا دے گا۔ اس کا نام مغیث رکھنا۔ یہ خاتون حیران ہوئی کہ میرے دل میں بھی یہی نام تھا۔ بہر حال اللہ تعالےٰ کے فضل سے مغیث صاحب تشریف لے آئے۔

مولانا صاحب کی دوسری صاحبزادی کا لڑکا مسٹر زاہد عزیز جو ہماری لنڈن کی جماعت کے ایک نہایت قابلِ قدر نوجوان ہیں اور جن کے علم کی روشنی سے منور لیکچر کو ہم نے ۱۹۷۵ء کے جلسہ سالانہ پر سُنا بھی تھا۔ اُن کے رشتہ کی تلاش میں ایک لڑکی کا انتخاب کیا گیا جب اس کے نام و پتے کا ذکر مولانا کے آگے ہوا تو فرماتے لگے کہ یہ رشتہ نہ ہوگا کیونکہ زاہد کی جس لڑکی سے شادی کا مجھے علم دیا گیا ہے اس کا نام تو مجھے یاد نہیں رہا مگر وہ "ف" سے شروع ہوتا تھا۔ سو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ رشتہ جو اس وقت نگاہ میں تھا نہ ہو سکا اور بالآخر اس نوجوان کی شادی ہماری جماعت کی نہایت محترم خاتون رضیہ مددعلی صاحبہ اور پروفیسر مددعلی صاحب کی صاحبزادی "فوقیہ" نامی سے ہوا۔

حضرت مولانا اپنی صاحبزادی کشور اور ان کے خاوند جو ان دنوں لیڈی ریڈنگ ہاسپیٹل پشاور میں سرجن تھے ان کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ ایک دن صبح ناشتہ پر فرمانے لگے کہ آج ایک بہت بڑے آدمی کی موت واقع ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور حضرت مولانا کے داماد کو فون آیا کہ فوراً ہسپتال آؤ کیونکہ حیات محمد شیرپاؤ وزیر حکومت پاکستان قتل ہو گئے ہیں۔ ان کا پوسٹ مارٹم کرنا ہے۔

حضرت مولانا خدمت دین کے سلسلہ میں امریکہ میں تھے۔ وہاں ایسا بخار ہوا کہ انہیں مجبوراً ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ امریکہ میں ہسپتال کا علاج بہت ہی مہنگا ہوتا ہے۔ اس لئے لوگ اپنی اس ضرورت کے لئے انشورنس کرا لیتے ہیں تاکہ یہ بار کثیر انہیں خود نہ اٹھانا پڑے۔ مگر مولانا جو سفر پہ تھے ایسی انشورنس پالیسی نہ رکھتے تھے۔ ڈاکٹروں نے تفتیش مرض کے لئے مولانا کو ہسپتال میں روک لیا جب یہ پتہ لگا کہ خدا جانے ہسپتال کا قیام کتنا ہو اور خرچ بےحد ہوگا تو مولانا نے اس درگاہ کو تھاما جو ہر انسان کے لئے کھلی ہے اور جس پر وہ ہمیشہ سربسجود رہتے تھے اور گڑگڑا کر دُعا کی کہ الٰہی میں کس طرح اس بے سر و سامانی میں ہسپتال کے لمبے قیام اور علاج کے اخراجات کو برداشت کر سکوں گا میری مدد فرما۔ سو خدا کا کرنا ایسا ہوا، کہ ایک امریکن نرس جو عیسائی تھی اور مولانا کو بالکل نہ جانتی تھی۔ ان کا نام پوچھتی پوچھتی آئی اور ان سے آکر پوچھنے لگی کہ "کیا آپ کا نام عبدالحق ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تو کہنے لگی مجھے آواز آئی ہے کہ اس ہسپتال میں ایک مریض عبدالحق ہے۔ اس کی پنڈلیوں پر فلاں دوائی کی جا کر مالش کرو۔"

مولانا نے اسے قبولیت دُعا سمجھا اور اس امریکن نرس کو اجازت دے دی کہ وہ اس دوائی سے مالش کرے۔ سو یہ معجزہ ہوا کہ اس مالش سے وہ بخار سے نجات پا گئے۔ ڈاکٹروں نے پھر بھی ڈسچارج کرنے میں تامل کیا۔ کیونکہ وہ ہر قسم کے ٹیسٹ کر رہے تھے کہ یہ سخت بخار کس نوعیت کا ہے اور انہیں ڈر تھا کہ مولانا کو افاقہ عارضی نہ ہوا ہو۔ مگر حضرت مولانا کو اس علاج اور اس صحت کے منجانب اللہ ہونے پر اتنا ایمان تھا کہ ہسپتال سے اپنی جائے قیام پر چلے گئے اور پھر وہ بخار خدا کے فضل سے انہیں نہ ہوا۔ وہ امریکن نرس اپنے اس غیر معمولی تجربہ سے اتنی متاثر ہوئی کہ مولانا کو اللہ تعالےٰ کا خاص بندہ سمجھ کر ان کی مرید ہو گئی۔

اللہ تعالےٰ کا خاص بندہ ہونے کے اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ ہم مولانا کے صاحبزادے اور صاحبزادیوں کا مشکور ہیں کہ انہوں نے ان میں سے مندرجہ بالا خانگی پیشگوئیوں کا علم دیا۔

مولانا بے شک ولی اللہ تھے مگر جو چیز انہیں اولیاء اللہ میں ممتاز کرتی ہے وہ ان کا بے نظیر علم و فضل اور تمام مذاہب عالم اور ان کی الہامی کتابوں اور تاریخ سے واقف ہونا تھا۔ علم و فضل کے میدان میں جو جگہ مولانا کی وفات سے خالی ہوئی ہے، وہ پُر ہو یا نہ ہو یہ صرف اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔

لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً